صلح حدیبیہ اور اس کے سیاسی اور اخلاقی پہلو

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم

ذی قعدہ الحرام ٦ ہجری دوشنبہ کا دن تھا جب رسول اکرمؐ نے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا رخ کیا، آپ کی سیاسی بصیرت یہ بتا رہی تھی کہ کفار قریش اس اہم عبادت میں مزاحم ہوں گے اور آپ کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اس لیے آپ نے اپنے اصحاب کرام کو بھی ساتھ لے لیا ۱۴۰۰ افراد کا یہ قافلہ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوا اور اسلام سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے ایک نئی مشکل کا شکار ہوگیا، خیال یہ ہے کہ اتنے افراد کا یہ قافلہ دیکھ کر مشرکین کو فوراً یہ تصور پیدا ہوا ہوگا کہ لشکر اسلام مکہ پر حملہ کرنے آرہا ہے چنانچہ حضرتؐ نے ان کے اس تصور کو غلط ثابت کرنے کے لئے مقام ذوالحلیفہ پر پہنچ کر تقلید کے ذریعہ احرام باندھ لیا اور اپنے اس عمل سے مشرکین پر یہ واضح کردیا کہ میرا ارادہ صرف عمرہ کا ہے اس میں کسی جنگ و جہاد کے تصور کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود خالد ابنِ ولید نے آپ سے مزاحمت کیلئے ایک لشکر مرتب کرکے عکرمہ ابن ابی جہل کو اس کا سردار بنادیا اس لشکر میں دوسو سوار بھی تھے۔ حضرت کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے بھی عبدہ ابنِ بشر کو چھوٹا سا لشکر دے کر آگے بڑھا دیا اور اپنے طرزِ عمل سے یہ واضح کردیا کہ اسلام امن و امان صلح و سلامتی ضرور چاہتا ہے لیکن دشمن کی بڑھتی ہوئی جسارتوں پر کسی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ اور اپنے اس طرزِ عمل سے اسلامی سیاست کے اس پہلو کو بھی واضح کردیا کہ اسلام کا دشمن پہلے تلوار کی طاقت آزماتا ہے اس کے بعد شکست خوردہ ہوکر صلح کی پیشکش کرتا ہے اور اسلام اس کے بالکل برعکس ہے وہ ابتدائی طور پر اپنی ساری کوششیں صلح کی راہ میں صرف کرتا ہے اور آخر کار صلح سے ناامید ہوکر طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

ابھی طرفین کے لشکر صف آرا نہ ہوئے تھے کہ نمازِ ظہر کا ہنگام آگیا۔ اصحاب رسول نے اطاعت خداوندی کے لئے مصلے بچھادیئے۔ نماز ظہر تمام ہوئی اور خالد کی فوج نے رئیس لشکر کو یہ پیغام دیا کہ مسلمان بڑے اچھے موقع سے گرفت میں آگئے تھے لیکن ہماری غفلت سے بچ گئے۔ خالد نے کہا کہ

ایسی کوئی بات نہیں ہے ابھی عصر کی نماز باقی ہے اس وقت ان کے خضوع وخشوع سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ فوج مخالف میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ رسول پر وحی نازل ہوئی اور یہ حکم دیا گیا کہ ایسے موقعے پر مسلمانوں کے دو حصے کردیئے جائیں، ایک دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار ہو اور دوسرا نماز جماعت ادا کرے۔ اس موقع پر اسلام کی سیاست کے چند پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

۱- اسلام کسی وقت بھی اپنے مقصد اور نصب العین کو فراموش نہیں کرسکتا۔ وہ فوج دشمن میں جنگ کی آخری تیاریاں دیکھ کر اطاعت کے مصلے بچھاتا ہے تاکہ دنیا یہ سمجھ سکے کہ جنگجو کون ہے اور مقصد کا پرستار کون؟

۲- نماز کی حالت میں حملہ کرنے کی سازش یہ بتارہی ہے کہ فوج مخالف مکار، حیلہ جو اور داخلی کمزوری کا شکار ہے اس لئے کھل کے میدان میں نہیں آنا چاہتی اور رسول ایسے وقت میں بھی نماز جماعت قائم کرکے یہ واضح کررہے ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور اس کی اطاعت میں وقت گزارنے والے دشمن کی مسلح طاقتوں سے نہیں ڈرا کرتے۔

۳- فوج دشمن میں حالت نماز میں حملہ کی سازش ہورہی تھی۔ رسولؐ اسلام کو سازش کی اطلاع بھی ملتی ہے لیکن آپ وحی الٰہی کے مطابق نماز قائم کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اتنی تیاریوں کو دیکھنے کے بعد بھی پہل نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا اصول صرف دفاعی ہے جس کے لئے ہم نے اصحاب کے ایک حصے کو مخصوص کرلیا ہے یہ اس وقت تک میدان میں نہ آئیں گے جب تک فوج مخالف حملہ آور نہ ہوجائے۔

مقام حدیبیہ پر پہنچ کر رسول اسلامؐ نے مشرکین کی طرف سے کافی مصائب بھی برداشت کیے لیکن اس کے باوجود لشکر کو حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نہایت ہی نرم لہجے میں یہ کلمات ارشاد فرمائے: ''تعجب ہے کہ قریش اتنے مصائب برداشت کرنے کے بعد بھی اس بات پر تیار نہیں ہیں کہ عرب سے میری معاملت براہِ راست ہوجائے وہ غالب آجائیں تو ان کا مقصد پورا ہوجائے اور مجھے غلبہ حاصل ہو تو وہ سب مسلمان ہوجائیں۔ یہ قریش اپنی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ میں ان سے اس وقت تک مقابلہ کروں گا جب تک دین کو غلبہ نہ مل جائے یا میں قتل نہ ہوجاؤں''۔ حضرت کے ان فقرات میں ایک طرف جوش عمل، زور عقیدہ اور جرأت کردار کا مظاہرہ ہے تو دوسری طرف اسلامی سیاست کے صحیح خطوط نمایاں کیے گئے ہیں۔ آپ نے اپنے غلبہ کے بعد دشمن کے اسلام کا تذکرہ کیا

ہے اپنے اقتدار کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی سیاست میں جنگ و جہاد کا مقصد اپنا اقتدار نہیں ہوتا بلکہ فوج مخالف کو راہِ راست پر لگا کر مذہبی تعلیمات سے آشنا کرنا ہوتا ہے۔ اسلامی سیاست کا مقصد واضح کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اخلاق کا مظاہرہ شروع کیا اور ایک مرتبہ قریش سے خطاب کرکے فرمایا کہ: ''میں غلبہ پانے کے بعد قریش کے کسی بھی مطالبہ سے انکار نہ کروں گا''۔

آپ کے اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ قریش کی طماع طبیعت اور ان کے مزاج و دماغ کی پستی بھی منظر عام پر آ جائے اور اس کے بعد تمام دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو صحیح مسلمان نہ سمجھ لیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ ان میں وہ طماع طبیعت افراد بھی شامل ہیں جو سہولت پسندی، سہل انگاری اور مکاری کے جذبات کے تحت اسلام قبول کر رہے ہیں۔

سیاست و اخلاق کا یہ حسین امتزاج رسول اکرمؐ کی سیرت کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہ مل سکے گا آپ نے اپنے ایک ہی فقرہ سے کفار کو زیر کیا، انہیں اسلام کی ترغیب دلائی، ان کی لالچی طبیعتوں کو واضح کیا، ان کے اسلام کی نوعیت ظاہر کی، ان کی صلح کی کیفیت کو آشکار کیا اور اس طرح کے نہ جانے کتنے موضوعات اسلام و اسلامیات پر ریسرچ کرنے والے محققین کے حوالے کر دیئے۔

اپنی سیاست اور اپنا نصب العین واضح کرنے کے بعد آپ نے اصحاب کی طرف رخ کیا ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' یہ سن کر اکثریت نے جنگ پر آمادگی ظاہر کی اور جناب مقداد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ '' ہم قوم موسیٰ نہیں ہیں جو آپ کو تنِ تنہا چھوڑ دیں ہم کفار سے آخر دم تک مقابلہ کرتے رہیں گے اور آپ کا حکم ہوگا تو ان کے آخری قلعہ کو بھی فتح کریں گے''۔ اس کے بعد آپ نے مسلمانوں سے موت کے لیے بیعت لی۔ یوں تو بیعت سب ہی نے کی لیکن اس میں ابن سلول جیسے منافقین بھی شامل تھے۔

یہاں بھی سیاست و اخلاق کا عجیب وغریب امتزاج نظر آتا ہے۔ اپنے مستقل فیصلے اور وحی الٰہی کے مکمل اشارات کے باوجود اصحاب سے مشورہ کرنا سیاسی اعتبار سے ان کے عزائم، کیفیت اور ارادوں کے اظہار پر مبنی تھا اور اخلاقی اعتبار سے ان کی تالیف قلب بھی مقصود تھی۔

اس مشورہ کے دو سیاسی پہلو اور بھی ہیں۔

۱۔ مشرکین کو اصحاب کے عزم محکم اور ارادۂ مستحکم کی خبر ملے گی تو ان کے دلوں پر دہشت چھا

جائے گی اور وہ اپنا طرزِ عمل بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے، جیسا کہ تاریخ نے ظاہر بھی کیا ہے۔

۲- موت پر بیعت کرنے والے اور آخری وقت تک ساتھ دینے کا وعدہ کرنے والے ساتھیوں کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ ان میں کتنے رسول کے اشارے پر جان دینے والے ہیں اور کتنے ذاتی مقاصد یا سماجی دباؤ کی بنا پر ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ اس امتحان کا موقع اس وقت آئے گا جب جنگ کی اتنی عظیم تیاریوں کے بعد حضور کی سیاست کا نیا رخ سامنے آئے گا اور آپ یکبارگی غیر مشروط قسم کی صلح کرنے پر تیار ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے مقصد کے تحفظ اور آپ کے اشاروں پر چلنے کی بنیاد پر موت کا ارادہ کیا ہے وہ آپ کی طرح ارادہ بدل کر صلح میں پیش پیش نظر آئیں گے اور جن لوگوں نے اپنے ذاتی مقاصد کو بھی پیش نظر رکھا ہے وہ اپنی جرأت کے اظہار کے لیے حضور سے اختلاف رائے کر کے جنگ ہی پر آمادگی ظاہر کریں گے۔

تاریخ عالم میں کوئی اتنا بڑا سیاستداں نہیں پیدا ہو سکتا جو اپنے ایک ہی اقدام سے اپنے اور پرائے دوست اور دشمن دونوں پر قابو پالے اور دونوں ہی کی حیثیتوں کو واضح کر دے۔ یہ معجزہ صرف سرکار دوعالمؐ کی سیرت میں ہی مل سکتا ہے اور بس!

مشرکین کو مسلمانوں کی اس جرأتمندانہ بیعت کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں پر ایک ہیبت طاری ہوگئی اور انہوں نے کافرانہ سیاست کے پیش نظر مجبور ہو کر صلح کی پیشکش کر دی ان کا خیال تھا کہ اب لشکر اسلام سے بچ کر نکلنے کا کوئی راستہ اس کے علاوہ نہیں ہے۔ صلح کی اس پیشکش نے رسولؐ اسلام کو چند در چند مشکلات میں مبتلا کر دیا۔

اس پیشکش کو قبول کر لیں؟ لیکن مشکل یہ ہے کہ موت پر بیعت کرنے والے بعض ناعاقبت اندیش مسلمان ہاتھ سے نکل جائیں گے انہیں خیال ہوگا کہ ہمارے ہوتے ہوئے صلح کی کیا ضرورت ہے ہم تو اک آن میں لشکر کفار کا صفایا کر سکتے ہیں۔

اچھا پھر اس پیشکش کو ٹھکرائے دیتے ہیں؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس طرح اسلام کے دامنِ اخلاق پر دھبہ آ جائے گا میں ان کے مطالبات کو پورا کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں، یہ اس بات کا بھی پروپیگنڈہ کریں گے کہ جب تک اسلام کے دست و بازو میں طاقت نہیں تھی وہ مسلم، سلام، صلح، امن و امان اور اس جیسے بے شمار نعرے بلند کیا کرتا تھا اور آج جب اسے ہمارے دیار تک پہنچنے کی ہمت ہوگئی ہے تو تیر و تلوار کے علاوہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، دوسری مشکل یہ بھی ہے کہ صلح سے مشرکین

کے دل و دماغ پر ایک نفسیاتی اثر پڑنے والا ہے اور اس سے مذہب کو عظیم فائدہ کی توقع ہے۔ اب وہ بھی نہ حاصل ہو سکے گا۔

آخر کریں تو کیا کریں؟ مشرکین نے وہ سازش کی ہے جس کا توڑ غیر اخلاقی اور غیر آئینی سیاست میں تو ہے لیکن اخلاقی اور آئینی سیاست میں بہت مشکل ہے۔

حضرت ابھی اس مرحلے سے دو چار ہی ہوئے تھے کہ وحی الٰہی نے حسب دستور راہنمائی کی اور آپ نے صریح لہجہ میں کسی مخالفت، بغاوت، احتجاج، سرکشی، طغیانی کی پرواہ کیے بغیر سہل بن عمرو سے صلح کا وعدہ کرلیا صلح کا وعدہ ایک قیامت بن گیا۔

''صلح؟ صلح؟'' مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ارے یہ کیسے ہوگا؟ ہم کیونکر دبیں گے؟

کیا اسلام ہر طاقت سے مافوق نہیں ہے؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا ہم نے جان کی بازی نہیں لگائی ہے؟ کیا ہم سے مکہ میں داخل ہوجانے کا وعدہ نہیں کیا گیا ہے؟ کیا یہ واقعاً رسول نہیں ہیں؟ کیا رسول ایسا ہی بزدل ہوتا ہے؟

یہی وہ آوازیں تھیں جو چاروں طرف سے حضورؐ کے کانوں میں آنے لگیں اور بعض ''جرأتمند'' مسلمانوں نے تو رسالت کی پرواہ کیے بغیر اسلامی مفاد اور اپنی عربی غیرت کی آڑ لے کر حضورؐ سے ٹکر لے لی۔ وہ تو کہیئے کہ کچھ دوسرے نیم سنجیدہ مسلمان آڑے آگئے اور حضورؐ کی عزت و آبرو رہ گئی ورنہ صلح حدیبیہ کا وہی حال ہوتا جو صفین میں تلوار نہ روکنے پر حضرت علیؑ کا ہوا۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ مکالمے تفصیل کے ساتھ درج ہیں، ان کا بغور مطالعہ رسولؐ اسلام کی اخلاق آمیز سیاست سمجھنے میں بیحد مفید ہوگا، اس سیاست کے چند نمایاں خطوط یہ ہیں:

۱- رسالت کی آبرو برقرار رہے اور دامن تبلیغ و ہدایت پر دھبہ نہ آنے پائے۔

۲- اسلام کو دیار غیر پر حملہ آور نہ تصور کیا جائے۔

۳- مسلمانوں کے کردار کو بھی پہچان لیا جائے کہ کون اپنی مرضی کو رضائے رسولؐ میں فنا کر چکا ہے اور کون اکڑا ہوا ہے؟

۴- وہ تلواریں بھی سامنے آجائیں جن کے اعتماد پر اسلامی لڑائی نہیں لڑی جاسکتی۔

۵- کافر کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اسلام صلح کے پیغام کو کسی عالم میں بھی نہیں ٹھکرا سکتا۔

رسول اکرمؐ کے ''ہاں'' کہنے پر تو اتنا بڑا ہنگامہ برپا ہوگیا اب ذرا اس منظر کی بھی سیر کر لیجئے جب

اس ہاں کے بعد صلحنامہ کی تکمیل کا سوال اٹھا اور حضرت علیؑ نے بحکم رسولؐ صلح نامہ مرتب کرنا شروع کیا۔ ''یہ رسول اللہ کا صلح نامہ ہے'' ابھی ایک ہی کلمہ لکھا گیا تھا کہ سہیل چیخ پڑا۔ یہ رسول اللہ کا کیا مطلب؟ اگر یہ رسول ہیں تو جھگڑا کیسا؟ یہ طریقہ غیر آئینی ہے ہم تو انہیں ''ابن عبداللہ'' سمجھتے ہیں لہٰذا وہی لکھا جائے۔ حضرتؐ نے بھی ''ابن عبداللہ'' لکھنے کا حکم دے دیا۔ کہنے کو تو کہہ دیا لیکن پھر ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہوگیا ہم رسالت سے انکار نہیں کرسکتے ہم اس انداز کو نہیں تسلیم کریں گے۔

رسول اعظم پھر ایک کشمکش سے دوچار ہوگئے کہ لفظ رسول اللہ رکھیں تو صلح کے مقاصد فنا ہوتے ہیں۔ مٹادیں تو یہ جلد باز مسلمان خفا ہوتے ہیں، غیروں کو دیکھیں یا اپنوں کو سمجھائیں، آخر کریں تو کیا کریں؟

آپ نے ایک لمحہ توقف کرکے ساری آوازیں سنیں اور حضرت علیؑ کو کفار کی خواہش کے مطابق صلح نامہ مکمل کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ آپ کی سیاست کا بالکل نیا پہلو تھا آپ چاہتے تھے کہ جولوگ میرے مقابلہ میں اپنی رائے اور میری نظر کے مقابلہ میں اپنے اجتہاد کو ابھارنا چاہتے ہیں ان کے ذہنوں کو جھنجھوڑ دیا جائے اور آئندہ نسلوں کے واسطے ایک لائحہ عمل یہ مقرر کردیا جائے کہ رسولؐ کی نص پر کسی کا اجتہاد اور وحی کے اشارے پر کسی کی رائے کو مقدم نہیں کیا جاسکتا، دشمن کے مقابلہ میں طوفان خیز ہنگامہ ایسے باریک نکات کی طرف اشارہ کرجانا حضور ہی کی سیاست کا کام تھا۔

لیجئے یہ منزل بھی طے ہوگئی اور صلحنامہ کے شرائط سامنے آگئے۔

۱- اس سال رسولؐ اسلام مع اصحاب کے واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال جب آئیں گے تو تین دن کے لیے مکہ خالی کردیا جائے گا۔

۲- دس سال تک جنگ موقوف رہے گی جو جس دین کو اختیار کرنا چاہے گا آزادی سے اختیار کرلے گا۔

۳- اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے پاس پہنچ جائے گا تو واپس کیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان مشرکین کی گرفت میں آجائے گا تو واپس نہ کیا جائے۔

عصر حاضر کے ماحول میں ان لفظوں کا سُن لینا آسان ہے لیکن جنگجو قوم کے بیچ میں رہ کر ایسے شرائط کا قبول کرلینا کسی قیامت سے کم نہیں ہے۔ رسولؐ نے شرائط کا استقبال کیا اور مسلمانوں میں ''طوفان محشر'' برپا ہوگیا۔

اس سال واپس جائیں تو فتح کا وعدہ کیا ہوا؟

دس سال جنگ نہ کریں تو یہ تلوار کس کام کی ہے؟
ہم گرفتاروں کو واپس کریں اور وہ واپس نہ کریں، یہ کیسی کمزور صلح ہے؟

رسول اسلامؐ نے یہ سب کچھ سنا لیکن اُف بھی نہ کی ادھر مزید قیامت یہ ہوئی کہ سہیل کا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو کر بھی باپ کی گرفت میں تھا رسول اسلامؐ کی خبر سن کر کسی طرح حضرتؐ کے پاس پہنچ گیا اور امان طلب کی حضرتؐ نے سکوت اختیار فرمایا سہیل نے معاہدہ کا حوالہ دے کر مسلمانوں کے سامنے بیٹے کی ایسی مرمت کی کہ حضرت عمر کی غیرت قومی جوش میں آ گئی اور انہوں نے ابو جندل کی طرف تلوار بڑھا دی کہ اپنے باپ کا خاتمہ کردے۔اس نے کہا کہ میں رسول کے معاہدہ کا احترام کرتا ہوں ایسا کوئی اقدام نہیں کرسکتا حضور نے اسے دعائیں دے کر واپس کرادیا۔

اس واقعہ سے مسلمانوں میں ایک اور انتشار پیدا ہوگیا۔ ۱۹ دن کے بعد حضور اکرمؐ حدیبیہ سے چلے۔ راستہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی اس نے اس صلح کو کھلی ہوئی فتح سے تعبیر کیا، مسلمانوں میں اور بھی ہلچل مچ گئی، یہ فتح ہے؟ کھلی ہوئی فتح؟ فتح مبین؟ نہ اپنے ساتھی کو بچا سکے نہ دشمن سے کوئی بات منوا سکے۔ اور فتح ہوگئی؟

یہاں تک پہنچنے کے بعد حضور نے سوچا کہ اب معاملہ ختم ہو چکا ہے اب خاموشی مناسب نہیں ہے اس لیے ایک مرتبہ غضبناک لہجہ میں کہنا شروع کیا'' یہ سب کیا بکواس ہے میں نے تمہاری احد کی دوڑ بھی دیکھی ہے، تمہارے سروں پر خندق کے طائر بھی دیکھے ہیں تمہارے بھروسے پر صلح سے انکار کرتا''۔

حضرت عمر نے چپکے سے عرض کی حضور بات ہماری شجاعت کی نہیں ہے آپ نے بھی تو مکہ میں داخلہ کی خبر دی تھی؟ اب حضرت نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے لیکن اس میں اس سال کا کوئی وعدہ نہیں تھا۔

صلح کا قصہ تمام ہوا اور اسلامی سیاست کے اعلیٰ نمونے سامنے آ گئے۔

'' ہم امسال واپس جارہے ہیں اگلے سال آئیں گے تو مکہ خالی کرنا ہوگا''۔ ہماری واپسی اس بات کی دلیل ہے کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے تھے اور نہ عکرمہ کے لشکر کو پسپا کرنے کے بعد تمہارے شہر پر بہ آسانی قبضہ کرسکتے تھے تمہیں ایک سال تک کا موقع کبھی نہ دیتے۔

مکہ کو خالی کردینے کا مطالبہ اس بات کا اعلان ہے کہ حجاج پر حملہ کرنے اور نقص امن کا اندیشہ تمہاری ذات سے ہے ہماری ذات سے نہیں ہے ورنہ صلح نامہ میں ہماری آمد سے مطلق ممانعت ہوتی۔

'' دس سال تک جنگ ملتوی رہے گی لیکن دین اختیار کرنے کی آزادی ہوگی''۔

جنگ کے التواء کو اس لیے منظور کیا ہے کہ مدینہ آنے کے بعد سے ہمیں صحیح تبلیغ کا موقع نہیں مل سکا ہمارے شام وسحر دفاعی جنگوں میں گزرے جارہے ہیں، اب ہم ذہنی اصلاح کے لیے وقت نکالنا چاہتے ہیں اور یہ کام آج کی جنگ سے ممکن نہیں تھا۔

دینی آزادی کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ ہماری تبلیغ کے نتائج کسی معاہدہ کی مخالفت کا سبب نہ بن سکیں اور ہمارے اوپر بدعہدی جیسا کوئی اخلاقی جرم عائد نہ ہوسکے، ہم صلح وسلامتی کے علمبردار تھے، اس لئے امن وامان سے ہدایت کا کام انجام دینا چاہتے ہیں۔

''مسلمان کو تمہارے درمیان اس لیے چھوڑا ہے کہ وہ اسی بہانے تمہارے عوام کو اپنے مذہب کے اصول سمجھا سکے اور اسے کسی آئین کی رو سے فوراً واپس نہ کیا جاسکے۔

تمہارے قیدی کو اس لیے واپس کرنا منظور کیا ہے کہ وہ تمہارے درمیان ہمارے طرز معاشرت، ہمارے آیات ہمارے اصول معاشیات، ہمارے قومی وسماجی نظریات کی تبلیغ کرسکے، تمہارے دل پسیج سکیں اور ہمارا خاموش مشن کامیاب ہوسکے۔

ہمارا صلح پسند اقدام فتح اس لیے ہے کہ ہم بنیادی طور پر زندگی بخشنا چاہتے ہیں موت ہمارا مقصد نہیں ہے ہم گردنیں نہیں جھکانا چاہتے ہم دلوں کو رام کرنا چاہتے ہیں، ہم کل تک گردن کاٹتے تھے تو مدمقابل پر تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا وہ خود ہی راہی ملک عدم ہوجاتا تھا اور آج ہم نے اخلاق کے بوجھ سے دشمنوں کی گردنیں جھکائی ہیں ان کے سرخم کیے ہیں اس لئے اب ہماری تبلیغ واقعی مقصد سے قریب تر آگئی ہے۔

ہمارے اسی خاموش مشن کی تبلیغ تھی کہ ابتدائے ہجرت سے آج تک بدر، احد، خیبر، خندق، وغیرہ میں ہماری تلواریں چمکتی رہیں لیکن ہم اتنے افراد کو مسلمان نہ بنا سکے جتنے مسلمان ہم نے اس ایک صلح سے بنالیے ''ناعاقبت اندیش'' اور ''ناآشنائے رموز زندگی'' افراد ہمارے اگلے سال کے قافلے کو دیکھیں اور ہماری فتح مبین کا اندازہ کریں۔ ہم دو سال کے بعد اسی مکہ کو فتح کرنے آئیں گے تو ہمارے ساتھ دس ہزار کا لشکر ہوگا آج تو صرف ۱۴۰۰ آدمی ہیں کیا یہ ہماری سیاست کی اعلیٰ کامیابی نہ ہوگی کہ ہم دو سال کے اندر صلح سے وہ کام لے لیں گے جو ۶ سال کی جنگ سے ممکن نہ ہوسکا تھا؟